رفقاءِ تنظیم کے

دس

مطلوبہ اوصاف

مع توضیحات

شائع کردہ

شعبۂ تعلیم وتربیت

تنظیمِ اسلامی

دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ چوہنگ، لاہور 53800

فون: (042)35473375-78

ای میل:markaz@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

پیش لفظ

رفقاءِ تنظیم اسلامی کے دس مطلوبہ اوصاف پر مشتمل کتابچہ نظرِ ثانی کے بعد حاضرِ خدمت ہے۔ تنظیمِ اسلامی کے نظام العمل کی پہلی "دفعہ" رفقاءِ تنظیمِ اسلامی کے مطلوبہ اوصاف پر مشتمل ہے۔ یہ اوصاف رفقاء کی معاونت [۱] کے لیے طبع شدہ ذاتی احتسابی یادداشت تک میں بھی درج ہیں۔ یہ دس اوصاف مبتدی تربیتی کورس میں رفقاء کو پڑھائے بھی جاتے ہیں۔ ان اوصاف کی تشریح مطلوب تھی جو کہ ایک جگہ دستیاب نہیں تھی۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر بانیٔ تنظیمِ اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتاب "تعارفِ تنظیمِ اسلامی" سے ان اوصاف کی تشریح اخذ [۲] کی گئی ہے۔ بعض جگہ پر ہماری طرف سے بھی اضافہ کیا گیا ہے اور مشکل الفاظ کی تسہیل حاشیے میں لگا دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوِش [۳] کو ہمارے لیے توشۂ آخرت [۴] بنا دے۔ آمین۔

شعبۂ تعلیم وتربیت

تنظیم اسلامی

(۱)مدد (۲)لینا-حاصل کرنا (۳)کوشش (۴)آخرت کا سامان

رفقاءِ تنظیم کے مطلوبہ اوصاف

ہر رفیق تنظیم

وصف نمبر 1- اپنے ایمان اور یقین میں پختگی اور گہرائی پیدا کرنے کی ہر دم کوشش کرتا رہے۔جس کے لیے فہم اور تدبر[1] کے ساتھ قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کو معمول بنائے اور قرآن حکیم کے دروس کی محفلوں میں پابندی اور تسلسل کے ساتھ شرکت کرے۔

تشریح: ایمان و یقین میں پختگی اور گہرائی کے لیے ضروری ہے کہ ایمان کو سمجھ لیا جائے ،ایمان کے دو درجے ہیں۔ ا۔قانونی ایمان ۲۔حقیقی ایمان

قانونی ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ جب کہ حقیقی ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ اپنے ایمان اور یقین میں پختگی پیدا کرنا ہمارے دین کا ابتدائی اور اوّلین تقاضا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ ”ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر“ (الحدید: 7) اور ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ ”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پرٗ اُس کے رسول ﷺ پر“ (النساء: 136)۔ایمان اگر کمزور ہے تو عمل میں بھی کمی ہوگی۔اور اگر ایمان پختہ اور گہرا ہے، یقین والا ایمان ہے تو عمل ترقی کرے گا اور اس میں اضافہ ہوگا۔لہٰذا بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایمان کو بڑھانے والے ذرائع اختیار کرے۔قرآن مجید حصولِ ایمان حقیقی کا اولین اور مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿وَاِذَا

(۱) غور کرنا

تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا﴾ ”اور جب انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے“ (الانفال: 2) لہٰذا

(i) تلاوتِ کلام پاک کے لیے ایک نصاب مقرر کر کے اس کو روزانہ کا معمول بنائیں (روزانہ کا نصاب ابتداءً ایک پاؤ سے شروع کر کے ایک پارہ اور پھر ایک منزل تک لے جایا جا سکتا ہے اور بتدریج اضافہ اوراس کو برقرار رکھنا مطلوب ہے)۔

(ii) اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل میں قرآنِ مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ترتیل سے مراد ہے قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔اِس کے لیے ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کی زیادہ سے زیادہ سورتیں حفظ کر کے نمازِ پنجگانہ اور تہجد میں ترتیل کے ساتھ پڑھنے کو معمول بنائیں۔ایمان میں اضافے کے لیے قرآنِ مجید کا فہم بھی ضروری ہے۔فہمِ قرآن کے لیے باقاعدگی سے قرآنِ مجید کو ترجمہ سے پڑھنا یا سننا اور معانی پر غور وفکر کرنا انتہائی مفید ہے۔ابتداءً اس ضمن میں بانئ تنظیمِ اسلامی کے بیان القرآن کی سماعت یا مطالعہ مفید رہے گا۔

(iii) باقاعدگی کے ساتھ حلقہ ہائے قرآنی میں شرکت ایمانِ حقیقی کی گہرائی یا پختگی کا سبب بنے گی۔اسی طرح قرآن مجید کے ساتھ ساتھ صحبت صادقین[1] اختیار کی جائے اور ہمیشہ اچھی محافل میں بیٹھیں اور بری محافل سے مکمل اجتناب[2] فرمائیں کیونکہ خوشبو والے کے پاس بیٹھنے سے ہی خوشبو نصیب ہوگی جبکہ کوئلے والے کے پاس بیٹھنے سے داغ دھبے لگنے کے قوی امکانات موجود ہوں گے۔

(iv) مسنون اذکار اور ادعیہ ماثورہ کی باقاعدہ تکرار بھی ایمان میں اضافے کا سبب بنے گی۔صبح وشام کے اذکار، درود شریف اور استغفار کی کثرت سے ایمان کو تازگی اور حرارت نصیب ہوگی۔(ضمیمہ صفحہ نمبر 38 پر ملاحظہ فرمائیں)

(۱) نیک لوگوں کی صحبت (۲) پرہیز

وصف نمبر 2- وقتاً فوقتاً مراقبہ[1] کرے اور اپنے باطن میں جھانک کر جائزہ لیتا رہے کہ کیا واقعتاً اس کا نصبُ العین اور مقصدِ حیات اللہ کی رضا اور اخروی فلاح کا حصول بن چکا ہے؟۔۔۔ اور اسی طرح کیا فی الواقع اس کی نماز اور قربانی کی طرح اس کا جینا اور مرنا بھی صرف اللہ کے لیے ہو گیا ہے؟۔۔۔ اور اگر اس میں کمی محسوس ہو تو اپنا پہلا فرض اسی کو سمجھے کہ اس کمی کو پورا کرے۔ اس لیے کہ باقی تمام دعوتی اور تنظیمی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا دار و مدار[2] اسی پر ہے۔

تشریح: بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں لکھتے ہیں "گہرے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرے کہ وہ ہر طرف سے یکسو[3] ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو رہے گا، رضائے الٰہی ہی اس کا اصل مقصود و مطلوب ہو گی اور نجات و فلاحِ اُخروی کا حصول ہی اس کا اصل نصبُ العین ہو گا۔۔۔ اور جس طرح اس کی نماز اور قربانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گی اسی طرح اس کے جسم و جان، مال و مَنال[4] حتّٰی کہ زندگی اور موت سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرف سے کٹ کر صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہو رہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے:

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ "میں نے تو اپنا رُخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔" (الانعام: 79)۔۔۔ اور۔۔۔ ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ "میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اُس کا

(۱) تصور- گہری سوچ (۲) انحصار (۳) ایک طرف (۴) جائیداد

کوئی شریک نہیں، اور مجھے تو اسی کا حکم ہوا ہے اور سب سے پہلا فرماں بردار میں خود ہوں۔" (الانعام:162,163)

ایک مسلمان کا حقیقی نصب العین اور مقصدِ حیات اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی نجات کا حصول ہے۔ انسان کو اپنی صلاحیتیں اور اوقات اِسی نصب العین کے حصول اور مقصدِ حیات کو پورا کرنے کے لیے لگانے چاہئیں۔ لیکن اکثر اوقات انسان اپنے اصلی نصب العین سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ دنیاوی ضروریات یعنی کھانا پینا اور بچوں کی تعلیم اور معاش کی فکر اور شادی کا مسئلہ، دنیا میں ترقی کی خواہش، دوسروں سے آگے بڑھنا ہی اس کا نصب العین اور مقصدِ زندگی بن جاتا ہے۔ لہٰذا

اپنے حقیقی نصب العین کو پیش نظر رکھنے کے لیے اپنے باطن کا جائزہ ضروری ہے۔ ہمارے دین میں خلوص و اخلاص کی بڑی اہمیت ہے۔ خلوص و اخلاص نیت اور عمل دونوں میں مطلوب ہے۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے" (بخاری)۔ نیت صالح ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا اجر مطلوب ہے تو عمل قبول ہو گا ورنہ عمل کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اگر نیت ٹھیک نہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی وقعت[1] نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں تین اشخاص کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو نیت کی خرابی کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جائے گا حالانکہ ان میں ایک شہید ہو گا دوسرا عالم، اور تیسرا سخی۔ (مسلم) اور پھر نیت کے ساتھ عمل میں بھی اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ "پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اُسی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے" (الزمر: 2) ریا، تکبر، شہرت کا حصول، خود پسندی کا احساس، اقتدار و اختیار کی خواہش، تعریف و تحسین کی طلب، غلبہ و تفوق[2] کا جذبہ، یہ سب وہ بیماریاں ہیں جو اخلاص کو کھا جاتی ہیں۔ لہٰذا ان بیماریوں سے بچنے کی شعوری کوشش کرنی چاہیے۔ رات کو اپنے دن بھر کے معمولات کا جائزہ لے کر اپنا محاسبہ[3]

(۱) اہمیت- وزن (۲) فوقیت/ فائق (۳) جانچ پڑتال

کرنا چاہیے کہ میرا آج کا دن کیسا گزرا؟ اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی یا اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور میں تجاوز[1] تو نہیں کیا۔ اسی طرح حقوق العباد کے ضمن میں دیکھے کہ کسی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی تو نہیں کی۔ نماز کے بارے میں دیکھے کہ باجماعت اور تکبیر اولیٰ[2] کے ساتھ ادا کی یا نہیں۔ نماز کے بارے میں کوئی کمی کوتاہی تو نہیں ہوئی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے نوافل کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا اور توبہ و استغفار بھی کرنا چاہیے۔ اسی طرح اپنے اوقاتِ کار کا جائزہ لینا کہ میری بھاگ دوڑ صرف اپنی دنیا ہی کے لیے ہے یا میرا وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت و نصرت میں بھی لگتا ہے۔ اگر نصب العین واقعی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے تو پھر یہ سارے کام سہولت کے ساتھ ہوں گے۔ ورنہ دل میں آیا تو کرلیا، کسی نے پوچھ لیا تو بہانہ بنا کر ٹال دیا، یا پھر اپنا دل کیا تو کبھی آ گئے۔ اگر اپنے تمام معاملات کا اس طرح محاسبہ نہ کیا تو غلبہ دین کی جدوجہد کو اپنے دنیاوی کاموں پر فوقیت[3] دینا بہت مشکل ہوگا اس لیے اپنے نصب العین کا جائزہ لیتے رہنے سے ہی رویہ اور عمل درست رہ سکتا ہے۔

وصف نمبر 3- اپنے عقائد کو درست کرے اور کلمۂ شہادت کے مضمرات[4] اور لازمی نتائج کو ہمیشہ دل و دماغ میں تازہ کرتا رہے۔

تشریح: تنظیم اسلامی کے عقائد اور بنیادی دینی تصورات درج ذیل ہیں۔

تنظیم اسلامی کے بنیادی دینی تصورات ـــــ یعنی عقائد ـــــ اہلِ سنت والجماعت کے مطابق ہیں، جن کی رُو سے: ہر عاقل و بالغ مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پر لازم ہے کہ وہ:

(الف) پورے شعور و ادراک[5] کے ساتھ اقرار کرے کہ:

"اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ، اِقْرَارٌۢ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌۢ بِالْقَلْبِ"

(۱) حد سے بڑھنا (۲) وہ تکبیر جس سے نماز کا آغاز ہوتا ہے (۳) ترجیح ـ برتری
(۴) بنیادی باتیں ـ پوشیدہ امور (۵) سوجھ بوجھ

"میں یقین رکھتا ہوں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء و صفات سے ظاہر ہے اور قبول کرتا ہوں اس کے جملہ[1] احکام، اقرار کرتا ہوں زبان سے اور تصدیق کرتا ہوں دل سے!" ـــــ اور

"اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ"

"میں یقین رکھتا ہوں اللہ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتاب پر، اور اس کے رسولوں پر، اور یوم آخر پر، اور تقدیر پر کہ اس کی بھلائی اور بُرائی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر"۔

اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ـــــ وہ اَلْاَحَدُ ہے یعنی ہر اعتبار سے تنہا اور اکیلا، چنانچہ نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں، نہ حقوق میں نہ اختیارات میں، نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے نہ ہم کفو[2]، نہ ہم سر ہے نہ ہم پلّہ، نہ ضد ہے نہ ندّ[3]، نہ مثل ہے نہ مثال ـــ وہ الصَّمَد ہے یعنی وہ پورے سلسلہ کون و مکان کا مُبدِع[4] بھی ہے اور مُوجِد بھی، خالق بھی ہے اور باری[5] بھی، صانع بھی ہے اور مُصوِّر بھی اور اسی کی توجہ و عنایت اسے تھامے ہوئے بھی ہے اور قائم کئے ہوئے بھی۔

وہ پاک اور منزہ و مبرا[6] ہے ہر عیب، ہر نُقص، ہر کمی، ہر ضعف، ہر احتیاج، ہر غلطی اور ہر کوتاہی سے، گویا وہ سُبُّوحٌ[7] بھی ہے اور الْقُدُّوْسُ[8] بھی ـــ اور جامع ہے تمام محاسن و کمالات کا، اور ہر خیر اور خوبی کا بدرجہ تمام و کمال، گویا وہ الْغَنِيُّ بھی ہے اور الْحَمِيْدُ بھی، کسی کو کوئی قوت و طاقت حاصل نہیں بجز اس کے اذن و اجازت کے، گویا وہی، الْعَلِيُّ بھی ہے اور الْعَظِيْمُ بھی اور الْمُتَعَالُ[9] بھی ہے اور الْكَبِيْرُ،

(۱) تمام (۲) برابر (۳) مدّمقابل (۴) عدم سے وجود بخشنے والا (۵) پیدا کرنے والا
(۶) پاک (۷) بہت پاک (۸) ہر برائی سے بالکل پاک (۹) بہت بلند

الْمُتَكَبِّر بھی۔((سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ))[1] اس کی ذات وراءُ الوراء ثم وراءُ الوراء[2] ہے اور اس کی ماہیت اور کنہ[3] کو کوئی نہیں جان سکتا اور اس کی معرفت کی واحد راہ اس کے اسماء وصفات کے واسطے ہی سے ہے۔ چنانچہ تمام اچھے نام اسی کے ہیں اگرچہ متعین طور پر اس کے اسماءِ حسنیٰ وہی ہیں جو قرآن اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وارد[4] ہوئے --- اسی طرح وہ تمام صفات کمال سے بتمام وکمال متصف[5] ہے جن میں سے اہم ترین آٹھ ہیں یعنی (۱) حیات، (۲) علم، (۳) قدرت، (۴) ارادہ، (۵) سمع، (۶) بصر، (۷) کلام اور (۸) تکوین، چنانچہ وہی الحی بھی ہے اور القیوم بھی اور السّمیع بھی ہے اور البصیر بھی ﴿عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بھی ہے اور ﴿بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بھی ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ بھی ہے اور ﴿اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ "اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے ہوجا اور وہ ہو جاتی ہے۔" (یٰس: 82) کی شان کا حامل بھی --- مزید برآں اس کی جملہ صفات اس کی ذات ہی کے مانند مطلق ولا متناہی[6] ہیں نہ کہ محدود ومقید، اور قدیم ہیں نہ کہ حادث اور ذاتی ہیں نہ کہ کسی اور کی عطا کردہ۔

فرشتے وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے تخلیق فرمایا۔ وہ صاحبِ تشخص وجود کے حامل ہیں نہ کہ مجرد[7] قوائے طبعیہ،[8] ان کا نہ مذکر ہونا معلوم ہے نہ مونث، وہ خدا سے قرب ضرور رکھتے ہیں لیکن الوہیت[9] میں ان کا کوئی حصہ نہیں، وہ اللہ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم انہیں بارگاہِ خداوندی سے ملے، وہ اللہ کے احکام کی تنفیذ[10] بھی کرتے ہیں اور خالق ومخلوق کے مابین پیغام رسانی بھی، چنانچہ وہی انبیاء ورُسل تک وحی لاتے رہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الدعا، باب مایدعوبہ اذا انتبہَ من اللیل (۲) تصور سے بالاتر (۳) حقیقت
(۴) آنا (۵) صفت رکھنے والا (۶) غیر محدود (۷) صرف (۸) غیر محسوس سائنسی قوتیں
(۹) شان خداوندی (۱۰) حکم کا جاری کرنا

لیکن چار بہت مشہور بھی ہیں اور جلیل القدر بھی۔ یعنی حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام۔

اللہ کی کتابوں میں سے بھی چار ہی معلوم ومعروف ہیں، یعنی توراۃ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی اور زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی اور قرآن جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا، جو اللہ کی آخری کتاب اور نوعِ انسانی کے نام اللہ کا آخری اور مکمل پیغام ہے، جس کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی اور جو مِن وعَن[1] محفوظ موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا جبکہ باقی تینوں کتابیں ردوبدل اور تغیّر وتحریف[2] کا ہدف بن چکی ہیں، گویا اب قرآن ہی اُن کا مُصَدِّق[3] بھی ہے اور مُھَیمِن[4] بھی، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پیغمبروں کو صحیفے عطا ہوئے جن میں سے کچھ اب دنیا میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں، باقی مُحرَّف اور مُبَدَّل[5] ہیں۔

اللہ کے رسول نوعِ انسانی کے وہ برگزیدہ افراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے وقتاً فوقتاً چنا اور پسند فرمایا۔ وہ انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے اور سب گناہ سے پاک یعنی معصوم تھے، ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، قرآنِ مجید میں جن کے نام مذکور ہیں ان کے سوائے کسی اور کو یقین کے ساتھ نبی یا رسول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان میں سے پانچ حد درجہ اولوالعزم اور نہایت عالی مرتبہ ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --- ان میں سے بعض کو بعض پر بعض پہلوؤں سے جزوی فضیلت حاصل ہے لیکن جملہ انبیاء ورُسل پر فضیلتِ کُلی سیّدِ وُلدِ آدم[6] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے، جو خاتَم النبیین[7] بھی ہیں اور آخر

(۱) ہوبہو (۲) تبدیلی (۳) تصدیق کرنے والا (۴) محافظ (۵) تبدیل شدہ (۶) عربی لغت میں اولاد کے لیے اَلْوَلَدُ، اَلْوُلْدُ، اَلْوِلْدُ کے الفاظ آتے ہیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، ((اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ)) میں اولادِ آدم کا سردار ہوں (سنن ابی داؤد، کتاب السنہ باب فی التخییر بین الانبیاء علیہم السّلام)
(۷) الاحزاب: 40، وفی الحدیث ((اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ)) "میں آخری نبی ہوں میرے بعد (کسی قسم کا) کوئی نبی نہیں ہے۔" (سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب مالا تقوم الساعۃُ حتی یخرج کذابون)

الرسل بھی اور جن کے بعد وحی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کُلی طور پر بند ہو چکا ہے۔

انبیاء ورُسل کی تائید وتقویت کے لیے اللہ تعالیٰ عام مادی ضوابط کو عارضی طور پر معطل کر کے گویا عادی قانون کو توڑ کر اپنی آیات (۱) ظاہر کرتا اور معجزات دکھاتا رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی بے شمار حسی معجزے عطا ہوئے لیکن آپ کا اہم ترین اور عظیم ترین معجزہ معنوی ہے یعنی قرآنِ حکیم۔

یومِ آخر وہ دن ہے جس میں تمام انسان دوبارہ زندہ ہو کر عدالتِ خداوندی میں محاسبے اور جزا وسزا کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے جس کے نتیجے میں جنت میں داخلہ ہوگا یا جہنم میں ـــــ اس دن اقتدارِ مطلق (۲) اور اختیارِ کلی صرف اللہ واحد وقہار (۳) کے ہاتھ میں ہوگا نہ کسی کو کسی جانب سے کوئی مدد مل سکے گی، نہ کوئی کچھ دے دلا کر چھوٹ سکے گا، نہ کوئی سفارش ہی خدا کی پکڑ سے بچا سکے گی۔ انبیاء و رُسل، صُلَحاء (۴) و اَتْقِیاء (۵)، ملائکہ و اَرواح اور سب سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے مراتبِ عالیہ (۶) کے اظہار واعلان اور ان کے اعزاز واکرام کے لیے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور گناہ گار اہل ایمان کے حق میں ان کی شفاعت قبول بھی ہوگی لیکن نہ وہ خدا کی مرضی اور منشاء کے خلاف کچھ کہیں گے اور نہ ہی خدا کی صفتِ عدل باطل ہوگی۔

تقدیر کے خیر وشر کا مِن جانبِ اللہ ہونا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور مخلوقات میں سے کسی کے بس میں نہیں کہ بغیر اس کی اجازت، محض اپنے ارادے سے کچھ کر سکے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے خواہ وہ کسی کو بھلا لگے یا بُرا، اللہ کے اذن ہی سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کا عاجز ولاچار ہونا لازم آتا ہے۔ مزید برآں، وہ "عَالِمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ" (۷) بھی ہے۔ چنانچہ اس پورے سلسلۂ کون ومکان میں جو کچھ ماضی میں ہوا، یا حال میں ہو رہا ہے یا مستقبل میں ہوگا سب اس کے علمِ قدیم

(۱) نشانیاں (۲) کلی اقتدار (۳) غالب (۴) صالح کی جمع معنی نیک (۵) متقی کی جمع معنی پرہیزگار (۶) بلند درجات (۷) جو کچھ ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کا جاننے والا

میں پہلے سے موجود ہے، اگرچہ اس کا یہ علم جبرِ محض کو مستلزم (۱) نہیں ـــ گویا، ایمان بالقدر، دراصل اللہ تعالیٰ کی دو صفات یعنی قدرت اور علم کے مضمرات (۲) اور مقدرات (۳) ہی کو ماننے کا نام ہے۔

بعثِ بعدَ الموت سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا نفخۂ اُولیٰ (۴) ہوگا جس کے نتیجے میں کائنات کا پورا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا اور سب پر ایک عمومی موت طاری ہو جائے گی۔ پھر جب اللہ کا اِذن (۵) ہوگا نفخۂ ثانیہ ہوگا اور سب جی اُٹھیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامِ قیامت پیدا ہونے والے آخری انسان تک سب میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے!

(ب) کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے جملہ مُضمَرات و مُقدَّرات کے فہم وشعور کے ساتھ گواہی دے کہ:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں"۔

اس شہادت کے جزوِ اوّل کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اور جو کچھ آسمان وزمین میں ہے سب کا خالق، پروردگار، مالک اور تکوینی وتشریعی حاکم صرف اللہ ہے، ان میں سے کسی حیثیت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ گویا "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" "آگاہ ہو جاؤ اُسی کے لیے ہے خلق اور (اُسی کے لیے ہے) امر۔" (الاعراف:54) اور "لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ" "اُسی کی بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے۔" (التغابن:1)

(۱) لازم (۲) چھپے ہوئے (۳) پہلے سے طے شدہ (۴) پہلی دفعہ صور پھونکنا
(۵) حکم۔ اجازت

اس حقیقت کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ:

۱۔ انسان اللہ کے سوا کسی کو ولی و کارساز، حاجت روا اور مشکل کُشا، فریاد رَس اور حامی و ناصر نہ سمجھے، کیونکہ کسی دوسرے کے پاس کوئی اقتدار ہے ہی نہیں۔

۲۔ اللہ کے سوا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے والا نہ سمجھے، نہ تو کسی اور کا تقویٰ اختیار کرے اور نہ ہی کسی سے خوف کھائے، کسی پر توکل نہ کرے، کسی سے اُمیدیں وابستہ نہ کرے، کیونکہ تمام اختیارات کا مالک تنہا وہی ہے۔

۳۔ اللہ کے سوا کسی سے دُعا نہ مانگے، کسی کی پناہ نہ ڈھونڈے، کسی کو مدد کے لیے نہ پکارے۔ کسی کو خدائی انتظامات میں ایسا دخیل [۱] اور زور آور بھی نہ سمجھے کہ اس کی سفارش قضائے الٰہی کو ٹال سکتی ہو، کیونکہ خدا کی سلطنت میں سب بے اختیار رَعیّت ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء۔

۴۔ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائے، کسی کی پرستش نہ کرے، کسی کو نذر نہ دے اور کسی کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے جو مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کرتے رہے ہیں، کیونکہ تنہا ایک اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

۵۔ اللہ کے سوا کسی کو بادشاہ، مالک الملک اور مُقتدرِ اعلیٰ [۲] تسلیم نہ کرے، کسی کو باختیارِ خود حکم دینے اور منع کرنے کا مجاز نہ سمجھے، کسی کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز نہ مانے اور اُن تمام اطاعتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے جو ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت اور اُس کے قانون کی پابندی میں نہ ہوں، کیونکہ اپنے مُلک کا ایک ہی جائز مالک اور اپنی خَلق کا ایک ہی جائز حاکم اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو مالکیت اور حاکمیت کا حق نہیں پہنچتا۔ نیز اس عقیدے کو قبول کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ:

۶۔ انسان اپنی آزادی و خودمختاری سے دست بردار [۳] ہو جائے، اپنی خواہش نفس

(۱) دخل دینے والا (۲) اعلیٰ اقتدار کا مالک (۳) چھوڑنا

کی بندگی چھوڑ دے اور اللہ کا بندہ بن کر رہے جس کو اس نے اپنا الٰہ تسلیم کیا ہے۔

۷۔ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک اور مختار نہ سمجھے، بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان، اپنے اعضاء اور اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو بھی اللہ کی مِلک اور اس کی طرف سے امانت سمجھے۔

۸۔ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ سمجھے اور اپنی قوتوں کے استعمال اور اپنے برتاؤ اور تصرّفات [۱] میں ہمیشہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھے کہ اُسے قیامت کے روز اللہ کو ان سب چیزوں کا حساب دینا ہے۔

۹۔ اپنی پسند کا معیار اللہ کی پسند کو اور اپنی ناپسندیدگی کا معیار اللہ کی ناپسندیدگی کو بنائے۔

۱۰۔ اللہ کی رضا اور اس کے قُرب کو اپنی تمام سعی و جہد کا مقصود اور اپنی پوری زندگی کا محور ٹھہرائے۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی اس کا محبوبِ حقیقی اور مطلوب و مقصودِ اصلی بن جائے۔

۱۱۔ اپنے لیے اخلاق میں، برتاؤ میں، معاشرت اور تمدّن میں، معیشت اور سیاست میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ کی ہدایت کو ہدایت تسلیم کرے اور ہر اُس طریقے اور ضابطے کو رد کر دے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہو۔

اس شہادت کے جزو ثانی سے واضح ہوتا ہے کہ سیدِ وُلدِ آدم نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پہلی حیثیت کے اعتبار سے آپ عَبدیتِ کاملہ کے مقام پر فائز ہیں اور آپ ﷺ کی اس حیثیت کے علم اور اعتراف سے شرک کی ان جُملہ اقسام کا کامل سَدِّ باب [۲] ہو جاتا ہے جن میں سابقہ اُمّتیں اپنے اپنے انبیاء و رُسُل کے فرطِ احترام [۳]، شدّتِ عقیدت اور غُلوِ محبت [۴] کے باعث ملوث ہو گئیں اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے فَرقِ [۵] مبارک پر ختم نبوت اور ختم رسالت کا تاج بھی

(۱) اعمال (۲) خاتمہ (۳) احترام کی زیادتی (۴) محبت میں مبالغہ کرنا
(۵) اَلْفَرْقُ: "بالوں کی مانگ" مجازاً سر کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے

ہے اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں شہنشاہِ ارض وسماء کی جانب سے اِتمامِ نعمتِ شریعت اور تکمیلِ دینِ حق کا فرمانِ شاہی بھی۔ گویا سلطانِ کائنات کی طرف سے رُوئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو جس آخری نبی (ﷺ) کے ذریعہ سے مستند ہدایت نامہ اور ضابطہ قانون بھیجا گیا اور جس کو اس ضابطہ کے مطابق کام کر کے ایک مکمل نمونہ قائم کردینے پر مامور کردیا گیا، وہ محمد ﷺ ہیں۔

اس امرِ واقعی کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ انسان کو جُملہ مخلوقات [1] میں شدید ترین محبت آنحضور ﷺ ہی سے ہو اور آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع ہی زندگی کا اصل طریق بن جائے گویا:

۱۔ انسان ہر اُس تعلیم اور ہر اُس ہدایت کو بے چون وچرا [2] قبول کرے جو محمد ﷺ سے ثابت ہو۔

۲۔ اس کو کسی حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے کے لیے اور کسی طریقہ کی پیروی سے روک دینے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہو کہ اس چیز کا حکم یا اس چیز کی ممانعت رسولُ اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

۳۔ رسولُ اللہ ﷺ کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی ورہنمائی تسلیم نہ کرے۔ دوسرے انسانوں کی پیروی کتاب اللہ اور سنّتِ رَسول اللہ کے تحت ہو، نہ کہ ان سے آزاد۔

۴۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے رسول ﷺ کی سُنّت کو حُجت [3] اور سَند اور مَرجع [4] قرار دے، جو خیال یا عقیدہ یا طریقہ کتاب وسنت کے مطابق ہو اسے اختیار کرے، جو اس کے خلاف ہو اسے ترک کردے، اور جو مسئلہ بھی حل طلب ہو اسے حل کرنے کے لیے اُسی سرچشمۂ ہدایت کی طرف رجوع کرے۔

(۱) تمام مخلوقات (۲) کسی عذر کے بغیر (۳) دلیل (۴) جس کی طرف رجوع کیا جائے

۵۔ تمام عصبیتیں [1] اپنے دل سے نکال دے خواہ وہ شخصی ہوں یا خاندانی یا قبائلی و نسلی، یا قومی و وطنی، یا فِرقی و گروہی، کسی کی محبت یا عقیدت میں ایسا گرفتار نہ ہو کہ رسولِ خدا ﷺ کے لائے ہوئے حق کی محبت وعقیدت پر وہ غالب آ جائے یا اس کی مدِّ مقابل بن جائے۔

۶۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نہ تو کسی بھی معنی میں نبی یا رَسول سمجھے نہ معصوم اور نہ ہی کسی کا یہ منصَب [2] اور مرتبہ سمجھے کہ اس کے ماننے پر انسان کا مومن ومسلم سمجھا جانا منحصر ہو۔

نیز اسی کے متضمِّنات [3] کی حیثیت سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ:

۷۔ یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ ﷺ نے جو نظام قائم فرمایا اور جو خلافتِ راشدہ کے دوران بتمام وکمال قائم رہا، وہی دینِ حق اور نظامِ اسلامی کی صحیح ترین اور واحد مسلّمہ [4] تعبیر ہے۔ گویا خلافتِ راشدہ فی الواقع "خلافت علیٰ منہاجِ النبوۃ" تھی اور خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکر صدیق، عمرِ فاروق، عثمانِ غنی اور علی حیدر رضی اللہ عنہم، نبی اکرم ﷺ کے وہ "خلفائے راشدین ومہدیین" [5] ہیں جن کی سنت آنحضور ﷺ کے بعد دین میں حجت کا درجہ رکھتی ہے۔

۸۔ یہ یقین رکھا جائے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جنہیں آنحضور ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی تعلیم اور تزکیہ وتربیت سے براہِ راست فیض یاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی مِن حیثُ الجماعت پوری اُمت میں افضلیت مطلقہ [6] کے حامل ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی غیر صحابی کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں ہوسکتا۔ ان کی محبت جزوِ ایمان ہے، ان کی تعظیم وتوقیر دراصل نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر ہے اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحقیر و توہین درحقیقت

(۱) طرفداری (۲) درجہ، مرتبہ (۳) ضمنی چیزیں (۴) تسلیم شدہ
(۵) ہدایت یافتہ (۶) کامل افضلیت

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض و عداوت[۱] اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر و توہین[۲] ہے ـــــ ان کے مابین جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں لیکن فضیلت کلّی متعین طور پر اس طرح ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک اضافی درجۂ فضیلت حاصل ہے حضراتِ اصحاب بیعت رضوان کو، پھر ان پر ایک مزید درجہ فضیلت حاصل ہے حضراتِ اصحابِ بدر کو، پھر ان پر ایک اور درجہ فضیلت کے حامل ہیں حضراتِ عشرۂ مبشّرہ اور ان میں فضیلتِ مطلقہ حاصل ہے، حضراتِ خلفائے اربعہ کو جن کی افضلیت علیٰ ترتیب الخلافت ہے یعنی "اَفۡضَلُ الۡبَشَرِ بَعۡدَ الۡاَنۡبِیَاءِ بِالتَّحۡقِیۡقِ" ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر درجہ ہے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا، پھر مقام ہے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا اور پھر مرتبہ ہے حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ کا!

مزید برآں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کل کے کل "عُدُوۡل"[۳] ہیں اور ان کے مابین اختلاف و نزاع نفسانیت[۴] کی بناء پر نہیں بلکہ خطائے اجتہادی کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ مُشاجَراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم[۵] کے باب میں محتاط ترین رَوِش تو یہ ہے کہ "کَفِّ لِسَان"[۶] سے کام لیا جائے اور کامل سکوت اختیار کیا جائے تاہم کوئی حقیقی اور واقعی ضرورت ہی لاحق ہو جائے تو ایک کو "مُصِیۡبٌ" یعنی صحیح مؤقف پر اور دوسرے کو "مُخۡطِی" یعنی رائے خطائے اجتہادی پر تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کسی کو بھی سَبّ و شتم[۷] یا الزام و اتہام[۸] کا ہدف بنانا جائز نہیں ہے!

(ج) ہر قسم کے کفر اور جملہ انواع و اقسام شرک اور تمام رذائل[۹] و ذمائم[۱۰] اخلاق سے شعوری طور پر اعلانِ برأت کرے، بایں الفاظ کہ:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ اَنۡ اُشۡرِكَ بِكَ شَيۡئًا وَّ اَنَا اَعۡلَمُ بِهٖ وَاَسۡتَغۡفِرُكَ لِمَا لَاۤ اَعۡلَمُ بِهٖ تُبۡتُ عَنۡهُ وَتَبَرَّاۡتُ مِنَ الۡكُفۡرِ

(۱) نفرت اور دشمنی (۲) حقیر سمجھنا اور بے عزتی کرنا (۳) عادل کی جمع عُدُو (۴) خود غرضی
(۵) اختلاف رائے کے نتیجہ میں صحابہؓ کے معاملات (۶) زبان بندی (۷) گالی گلوچ (۸) تہمت
(۹) رذیلہ کی جمع معنی اوچھاپن (۱۰) ذمیمہ کی جمع معنی برائی

وَالشِّرۡكِ وَالۡكِذۡبِ وَالۡغِیۡبَةِ وَالۡبِدۡعَةِ وَالنَّمِیۡمَةِ وَالۡفَوَاحِشِ وَالۡبُهۡتَانِ وَالۡمَعَاصِیۡ كُلِّهَا))

"اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیرے ساتھ کسی کو جانتے بوجھتے شریک کروں اور تجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوں اگر کبھی بے سمجھے بوجھے ایسا ہو جائے اور میں اعلان برأت کرتا ہوں ہر نَوع کے کفر سے، شرک سے، جھوٹ سے، غیبت سے، بدعت سے، چغل خوری سے، بے حیائی کے کاموں سے، بہتان طرازی[۱] سے اور جملہ نافرمانیوں سے"۔

ایمان کی طرح کفر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک کفرِ حقیقی یا کفرِ قلبی اور دوسرے کفرِ قانونی یا کفرِ ظاہری ـــــ کفرِ حقیقی یا کفرِ قلبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری اور رب تعالیٰ کی ہر معصیت[۲] اور ہر نافرمانی پر ہو جاتا ہے لیکن جہاں تک اُس کفرِ قانونی یا کفرِ شرعی کا تعلق ہے جس کی بناء پر کسی کی تکفیر کر کے اس کا رشتہ ملتِ اسلامی سے منقطع کر دیا جائے تو وہ ضروریات دین میں سے کسی کے انکار ہی سے لازم آتا ہے، مجرد بے عملی یا نافرمانی حتیٰ کہ کبائر[۳] کے ارتکاب سے بھی لازم نہیں آتا۔

اسی طرح شرک کی بھی بے شمار اقسام ہیں بعض شرک اعتقادی ہیں اور بعض صرف عملی، بعض جلی[۴] ہیں اور بعض خفی، تاہم جملہ اَنواع و اَقسامِ شرک کا ایک اِحصاء[۵] اور اِحاطہ اس طرح ممکن ہے کہ ایک شرک فی الذّات ہے یعنی یہ کہ کسی کو کسی اعتبار سے خدا کا ہم جنس، یا ہم کفو بنا دیا جائے جس کا کامل رَدّ ہے سورۂ اخلاص میں۔ دوسرے شرک فی الصّفات ہے یعنی کسی کو کسی صفت کے اعتبار سے خدا کا مثل یا مثیل بنا دیا جائے جس کا نہایت مکمل سدّ باب[۶] ہے آیت الکرسی میں، اور تیسرے شرک فی الحقوق ہے جس کی جامع ترین تعبیر شرک فی العبادت ہے جس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کوئی خدا سے بڑھ کر یا اُس جتنا محبوب و مطلوب ہو جائے اور یہ بھی کہ کسی کو علی الاطلاق[۷] مُطاع[۸]

(۱) تہمت لگانا (۲) نافرمانی (۳) کبیرہ گناہ (۴) ظاہر (۵) شمار (۶) خاتمہ (۷) مطلق
(۸) جس کی اطاعت کی جائے

مان لیا جائے یعنی اس کی اطاعت خدا کی اطاعت سے آزاد تسلیم کر لی جائے، اور یہ بھی کہ عام مادی قانون اور ظاہری قواعد وضوابط کے دائرے سے باہر کسی سے استِعانت اور استمداد [1] اور استِغاثہ [2] کیا جائے یا اس سے دُعا کی جائے اور اسے پکارا جائے (عام مادی قوانین کے تحت بھی اگر کسی کے بارے میں یہ خیال ہو کہ محض اپنی قوت اور ارادے سے کسی کو نفع یا ضرر پہنچا سکتا ہے تو یہ شرک فی الصفات کی ایک قسم یعنی شرک فی القدرت اور شرک فی التصرُّف ہوگا) مزید برآں شرک کی اسی نوع کے ذیل میں آتے ہیں ریاء [3] اور سُمعہ [4] بھی اور کسی کے لیے کسی بھی نیت سے ان مراسم عبودیت کو بجالانا بھی جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں جیسے سجدہ اور نذر!

رذائل و ذمائم [5] اخلاق کی مکمل فہرست دینا ممکن نہیں تاہم اگر انسان ان سے اجتناب [6] کرے جو اُوپر بیان ہوئے تو دوسروں کا سدّ باب خود بخود ہو جائے گا۔

(د) سابقہ زندگی کے تمام گناہوں پر نہایت الحاح وزاری [7] سے بارگاہِ خداوندی میں مغفرت کا طلبگار ہو اور آئندہ کے لیے کامل خلوص و اخلاص اور ان الفاظ کے ساتھ توبہ کرے کہ:

﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ اَذْنَبْتُهٗ عَمَدًا اَوْ خَطَاً سِرًّا اَوْ عَلَانِیَةً وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ اَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِیْ لَا اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ وَسَتَّارُ الْعُیُوْبِ وَغَفَّارُ الذُّنُوْبِ﴾

"میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں تمام گناہوں پر خواہ میں نے جان بوجھ کر کیے ہوں یا غیر ارادی طور پر، اور خواہ چھپ چھپا کر کیے ہوں خواہ علانیہ طور پر، اور خواہ وہ میرے علم میں ہوں خواہ میرے علم میں نہ ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا اور تمام عیبوں کی پردہ

---

(۱) مدد مانگنا (۲) مدد چاہنا۔فریاد (۳) دکھاوا (۴) شہرت چاہنا (۵) گھٹیا اور بُرے
(۶) پرہیز (۷) گریہ وزاری

پوشی کرنے والا اور تمام گناہوں کی بخشش فرمانے والا ہے!"

توبہ صرف زبان سے کلماتِ توبہ کے ادا کر دینے یا ان کے ورد یا وظیفہ بنا لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ گناہ پر حقیقی ندامت اور واقعی پشیمانی اور معصیت سے کلی اجتناب کے عزمِ مُصمّم [1] کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں رجوع کرنے اور گناہ ومعصیت کو بالفعل [2] ترک کر دینے کا نام ہے یہ تین شرائط ان کوتاہیوں کے ضمن میں کافی ہیں جو حقوقُ اللہ کے باب میں ہوں، حقوقُ العباد سے تعلق رکھنے والے معاصی [3] کے لیے ایک چوتھی اضافی شرط یہ ہے کہ جس کسی پر زیادتی ہوئی ہو اس کی تلافی کی جائے یا اس سے معافی حاصل کی جائے۔

وصف نمبر-4 جُملہ فرائض اور واجبات ادا کرے اور تمام حرام اشیاء وافعال اور جملہ مکروہاتِ تحریمی سے لازماً اجتناب کرے اور اپنی معیشت اور معاشرت کو دیگر مکروہات سے پاک کرنے اور سنتِ رسول ﷺ، سنتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے قریب سے قریب تر کرنے کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔

تشریح: اس ضمن میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ لکھتے ہیں۔

۱۔ جملہ فرائضِ دینی کی پابندی اختیار کرے اور تمام کبائر سے فی الفور مُجتَنِبْ [4] ہو جائے۔ بالخصوص ارکان اسلام کی پوری پابندی کرے۔ چنانچہ نماز قائم کرے (مَردوں کے لیے التزام جماعت بھی ضروری ہے) رمضان المبارک کے روزے رکھے، صاحبِ نصاب ہو تو باقاعدہ حساب کے ساتھ پوری زکوٰۃ ادا کرے اور صاحبِ استطاعت ہو اور تا حال حج بیت اللہ نہ کیا ہو تو فوراً نیت کرے اور جلد از جلد فریضۂ حج ادا کرے۔

۲۔ سنتِ رسول ﷺ کا زیادہ سے زیادہ اتباع کرے اور ایسی تمام بدعات اور رسومات کو ترک کر دے جن کا ثبوت قُرُوْنِ مَشْهُوْدٌ لَّهَا بِالْخَیْرِ [5] میں نہ ملتا ہو۔

---

(۱) پختہ ارادہ (۲) عملاً (۳) معصیت کی جمع = نافرمانیاں (۴) اجتناب کرنے والا۔ پرہیز گار
(۵) وہ زمانے جن کے بہترین ہونے کی شہادت دی گئی ہے از روئے حدیث "خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ (صحیح بخاری، فضائل الصحابۃ، باب فضائل اصحاب النبی عن عمران بن حصین)

ان بدعات و رسومات کا زیادہ زور شادی بیاہ، پیدائش، عقیقہ، ختنہ، سالگرہ، فوتید گی اور تہواروں کے مواقع پر ہوتا ہے۔ ان سب میں لازم ہوگا کہ اپنے معاملات کو زیادہ سے زیادہ قرونِ اولیٰ کے مطابق بنایا جائے اور بعد کے اضافوں کو ترک کر دیا جائے۔

۳۔ اپنی معاشرت میں جملہ اسلامی احکام کی پابندی کرے خصوصاً ستر اور حجاب کے شرعی احکام پر عمل پیرا ہو۔

۴۔ اگر کوئی ایسا ذریعۂ معاش رکھتا ہو جو معصیتِ فاحشہ[۱] کے ذیل میں آتا ہو جیسے چوری، ڈاکہ، سود، زِنا، شراب، رقص و سَرُود،[۲] شہادتِ زُور،[۳] رشوت، خیانت، جوا اور سٹہ وغیرہ تو اسے ترک کر دے۔

اس بات کا تو بظاہر احوال کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ لوگ تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے خواہاں ہوں جن کی معاش چوری یا ڈاکہ، شراب کی تیاری یا اس کی فروخت وغیرہ، عصمت فروشی یا رقص وسَرُود ایسے قبیح[۴] کاموں سے متعلق ہوں تاہم اگر اللہ تعالیٰ ایسے کسی کاروبار سے متعلق کسی فرد کو اصلاح کی توفیق دے تو یہ بھی اس کی رحمت سے بعید نہیں۔ بہرصورت ان تمام کاموں کی حرمت اور قباحت و شناعت[۵] ہمارے معاشرے میں معلوم و معروف ہے —— البتہ بعض حرام چیزیں کچھ اس طرح ہمارے معاشرے میں جاری و ساری ہوگئی ہیں کہ عام لوگ یا تو ان کی قباحت سے ہی آگاہ نہیں رہے یا انہوں نے کسی مجبوری کے عذر کی بنیاد پر اُن کو اپنے لیے مباح[۶] کرلیا ہے۔ ان میں سے مکروہ ترین چیز ہے سُود، جس سے باز نہ آنے پر قرآن حکیم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اعلان جنگ کی وعید[۷] سناتا ہے اور دوسرے نمبر پر ہے رشوت اور سرکاری حیثیت اور اختیار کا ناجائز استعمال اور ان پر

(۱) کھلی نافرمانی (۲) گانا (اسم از مصدر سُرودَن، فیروز اللغات، فرہنگ اقبال) (۳) جھوٹی گواہی (۴) بُرے (۵) برائی (۶) حلال۔ جائز (۷) دھمکی

مستزاد ہیں بیع و شراء[۱] کی بعض ناجائز صورتیں اور سرکاری محاصل (انکم ٹیکس ڈیوٹی وغیرہ) سے بچنے کے لیے اِخفاء[۲] وکِذب بیانی[۳]۔

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ اس وقت جو خدا ناشناس اور عاقبت نا آشنا نظام پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور پورا انسانی معاشرہ بحیثیت مجموعی جس فسادِ اخلاقی میں مبتلا ہے اس کے پیشِ نظر ان تمام چیزوں سے کامل اجتناب نہایت مشکل اور صبر آزما کام ہے لیکن تنظیمِ اسلامی جن مقاصد کے لیے قائم کی جا رہی ہے اس کے پیش نظر لازِم ہے کہ اس سے عملی وابستگی[۴] کے لیے وہی لوگ آگے بڑھیں جو رخصتوں اور حیلوں پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت[۵] اور صبر و توکل کو اپنا شعار بنائیں اور ہر اس ذریعۂ معاش کو ترک کرنے کی کوشش کریں جس میں حرام کی آمیزش ہو۔ اس معاملے میں سرِ دست[۶] حسبِ ذیل تصریحات[۷] پر اکتفاء[۸] کی جاتی ہے۔

(i) سود لینا اور دینا قطعاً حرام ہیں لہٰذا بینکوں یا دیگر اداروں سے نہ کبھی کوئی رقم کسی بھی غرض کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے نہ سیونگ اکاؤنٹ یا فکسڈ ڈیپازٹ یا نقد رقم پر معینہ منافع کی کسی بھی دوسری صورت میں سرمایہ لگانا درست ہے۔ چنانچہ بنکوں سے صرف عام سروسز جیسے ترسیل زر یا لاکرز سے انتفاع[۹] یا زیادہ سے زیادہ کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے کی سہولت حاصل کی جاسکتی ہے۔

(ii) کسی ایسے کاروباری ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے جس میں سود کو غالب عنصر کی حیثیت حاصل ہو جیسے بینک اور انشورنش کمپنیاں۔

(iii) رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ البتہ کسی ایسی صورت میں کہ کسی ظالم اہل کار یا صاحب اختیار کو اپنا جائز حق وصول کرنے کے لیے کچھ مجبوراً دینا پڑے تو اس کا شمار استحصال بالجبر[۱۰] میں ہوگا۔ رشوت میں نہیں۔ البتہ یہ صرف اُسی صورت میں

(۱) خرید و فروخت (۲) چھُپانا (۳) غلط بیانی (۴) تعلق، واسطہ (۵) استقامت (۶) فی الحال (۷) تصریح کی جمع معنی تشریح (۸) کافی ہونا (کفایت کرنا) (۹) نفع اُٹھانا (۱۰) ڈرا دھمکا کر کوئی چیز لینا

ہوگا کہ نہ کوئی ناجائز انتفاع مطلوب ہو، نہ کسی سرکاری قانون اور پابندی سے بچنا مقصود ہو اور نہ ہی کسی اور کے جائز حقوق پر زد پڑتی ہو۔

(iv) سرکاری محاصل کے ضمن میں جتنی رعائتیں مروجہ قانون کے اندر اندر ممکن ہوں ان سے بڑھ کر کسی ایسی صورت کو اختیار کرنا درست نہیں ہے جس میں کِذب، فریب (۱) اور شہادت زُور (۲) شامل ہوں۔

(v) کاروبار کی مختلف صورتوں میں سے بھی جن جن میں بیع فاسد (۳) یا جوئے یا سٹے یا احتکار (۴) وغیرہ کا عنصر شامل ہو اس سے بچنا لازم ہے۔

(vi) اگر اس کے قبضے میں ایسا مال یا جائیداد ہو جو حرام طریقے سے آیا ہو یا جس میں حق داروں کے تلف کردہ حقوق شامل ہوں تو اس سے دستبردار ہو جائے اور اہل حقوق کو ان کے حق پہنچا دے۔ البتہ یہ عمل صرف اس صورت میں کرنا لازم ہے جب کہ حق دار بھی معلوم ہوں اور وہ مال بھی معلوم و متعین ہو جس میں ان کا حق تلف (۵) ہوا ہے۔ بصورتِ دیگر توبہ اور آئندہ کے لیے طرزِ عمل کی اصلاح کافی ہوگی۔

وصف نمبر-5 اپنے دینی علم میں ترقی کے لیے مسلسل کوشاں رہے اور اس سلسلے میں جو تعلیمی اور تربیتی نصاب اور تدریسی پروگرام تنظیم کی جانب سے ترتیب دیے جائیں ان کی جلد از جلد تکمیل کی مقدور بھر کوشش کرے۔

تشریح: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ)) "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔ (سنن ابن ماجہ) اور فرمایا "جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا تو اس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا"۔ (دارمی مرسلا عن حسن علیہ السلام)

(۱) دھوکا (۲) جھوٹی گواہی (۳) سودا جس میں قانونی طور پر کوئی نقص ہو
(۴) ذخیرہ اندوزی (۵) ضائع

طالب علم اور عالم کی فضیلت

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ ((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ)) (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے "جو طلب علم کی خاطر کوئی راستہ چلا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں اور فرشتے طالب علم پر خوشی کی وجہ سے اپنے پر سمیٹ لیتے ہیں اور آسمان و زمین کی مخلوق طالب علم کے لیے بخشش طلب کرتی ہیں حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں اور عالم کی فضیلت عابد کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔ بلاشبہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ انبیاءؑ دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں اس لیے جس نے علم حاصل کیا بڑا حصہ حاصل کیا"۔

دینی علم میں ترقی کے لیے تنظیم اپنے رفقاء کی معاونت (۱) کرتی ہے جس کے لیے مندرجہ ذیل کورسز اور نصاب ترتیب دیے گئے ہیں۔

مبتدی رفقاء کے لیے

ہفت روزہ مبتدی تربیتی کورس، ۲۔ مبتدی نصاب برائے مطالعہ، ۳۔ مبتدی نصاب کے سوالنامے حل کرنا، ۴۔ ہفتہ وار حلقہ جاتِ قرآنی، اجتماع اُسرہ اور ماہانہ تربیتی

(۱) مدد

اجتماعات میں بھی تعلیم کا اہتمام ہوتا ہے۔

ملتزم رفقاء کے لیے

ہفت روزہ ملتزم تربیتی کورس، ۲۔ملتزم نصاب برائے مطالعہ، ۳۔ملتزم رفقاء کے لیے حلقہ جاتِ قرآنی و اجتماعِ اُسرہ اور ماہانہ تربیتی اجتماعات کا التزام، ۴۔ملتزم رفقاء کے لیے مزید خصوصی اجتماعات بھی وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ نقباء و امراء اور مدرسین کے لیے مختلف نوعیت کے کورسز منعقد ہوتے ہیں۔نقباء کورس، امراء ونقباء مشاورتی و تربیتی اجتماع، مدرسین کورس، مدرسین ریفریشر کورس وغیرہ۔

پھر اس کے ساتھ انجمن ہائے خدامُ القرآن کے تحت ایک سالہ قرآن فہمی کورس پارٹ iاور پارٹ ii ہے۔جس میں بنیادی علوم دینیہ پڑھائے جاتے ہیں۔اور مرکزی انجمنِ خدامُ القرآن کے تحت ایک خط و کتابت کورس کے ذریعے بھی قرآنِ حکیم کی فکری و عملی رہنمائی کورس، بنیادی عربی گرامر اور ترجمہ قرآنِ حکیم سکھایا جاتا ہے۔

وصف نمبر-6 خود ذاتی حیثیت میں "داعیٔ الی اللہ" بننے کی امکان بھر کوشش کرے اور اس سلسلہ میں اُن اصولوں اور ہدایات کو مسلسل پیشِ نظر رکھے جو تنظیم کی قراردادِ تاسیس کی توضیحات کے ذیل میں درج ہیں۔

تشریح: قرآن وحدیث میں دعوتِ الی اللہ کے فریضہ کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اِسے بہترین بات قرار دیا ہے:

﴿وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ (حٰمٓ السّجدہ:۳۳)۔

"اور اُس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو بلائے اللہ کی طرف اور وہ نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر دعوتی مزاج پیدا کریں، تنظیمِ اسلامی کے نظام

دعوت کو سمجھ کر عمل کی کوشش کریں تا کہ بہتر انداز میں زیادہ سے زیادہ افراد تک دین کی دعوت پہنچ سکے۔لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یعنی شہادت علی الناس امت مسلمہ کی بنیادی ذمہ داری ہے:

﴿کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ وَلَوۡ اٰمَنَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ مِنۡہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَکۡثَرُہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴾ (آل عمران:۱۱۰)۔

"تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم روکتے ہو بدی سے اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔"

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَۃَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡہَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡہِ ؕ وَاِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾ (البقرہ:۱۴۳)۔

"اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے، تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر (اے نبی!) آپ پہلے تھے مگر یہ جاننے کے لیے (یہ ظاہر کرنے کے لیے) کہ کون رسول ﷺ کا اتباع کرتا ہے اور کون پھر جاتا ہے اُلٹے پاؤں! اور یقیناً یہ بہت بڑی بات تھی مگر ان کے لیے (دشوار

نہ تھی) جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور اللہ ہرگز تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انسانوں کے حق میں بہت ہی شفیق اور بہت ہی رحیم ہے۔"

دعوت کا کام فلاح ونجات کے لیے ناگزیر ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾

(آل عمران: ۱۰۴)

"اورتم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

اور اتباعِ محمدی ﷺ کا تقاضا ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○﴾ (یوسف:۱۰۸)۔

"(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ میری طرف سے تبلیغ کرو خواہ ایک ہی آیت (بخاری)۔ جنگِ خیبر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم اگر تیری وجہ سے ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے تو وہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے" (مسلم) ((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهٖ)) (صحیح مسلم) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے نیکی کی طرف رہنمائی

کی اس کو اس کے عمل کرنے والے کے برابر اجر ملے گا"۔

اس سلسلہ میں تنظیمِ اسلامی کی قرار دادِ تاسیس میں درج اصولوں اور ہدایات کو مسلسل پیشِ نظر رکھے جو کہ درجِ ذیل ہیں:

ہمارے نزدیک "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" کی روح اور "اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ" کی تدریج ضروری ہے۔" پیشِ نظر اجتماعیت لازماً یہ چاہے گی کہ اس کا ہر شریک نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں داعی الی اللہ اور اپنے ماحول میں حسب مقدور وصلاحیت اور بقدر ہمت و استطاعت ہدایت کا ایک روشن چراغ بن کر رہے اور اس کی شخصیت پر بحیثیت مجموعی داعیانہ رنگ غالب ہوجائے۔

اس دعوت کا اصل محرک ابنائے نوع (۱) کی ہمدردی اور نصح وخیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیے اور اس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود (۲) کا کوئی شائبہ شامل ہونا چاہیے نہ طلب جاہ (۳) کا۔ حتیٰ کہ اللہ، رسول ﷺ اور شریعت کی وفاداری کے جذبے کے تحت اگر کبھی کسی فرد، گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آجائے تو اس میں بھی ہمدردی اور دل سوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقامِ نفس کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

اس سلسلے میں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ ہمارے معاشرے کا مجموعی مزاج اگرچہ دین سے بہت دور جاچکا ہے اور اس اعتبار سے انتہائی اصلاح طلب ہے لیکن دعوت واصلاح کے عمل میں دو حقائق کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ یہ معاشرہ ایک مجموعی اکائی ہے اور اس کے تمام طبقات میں انحطاط (۴) سرایت کرچکا ہے۔ اس اعتبار سے اس کے مختلف طبقات میں کمیت کا تھوڑا بہت فرق چاہے موجود ہو، کوئی بنیادی امتیاز موجود نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ انحطاط براہِ راست نتیجہ ہے جذبات ایمانی کے ضعف (۵) اور کتاب وسنت کے علم کی کمی کا۔ اس میں دین دشمنی کا عنصر چند ایسی استثنائی صورتوں (۶) کے سوا موجود نہیں ہے جو اگرچہ بجائے خود تو بہت خطرناک ہیں اور ان سے خبردار رہنے

(۱) انسانیت (۲) نمائش (۳) مرتبے کی خواہش (۴) زوال (۵) کمزوری (۶) الگ صورتیں

کی بھی ضرورت ہے تاہم مجموعی اعتبار سے ہمارے معاشرے کے عام بگاڑ کا اصل سبب دین دشمنی نہیں بلکہ دین سے لاعلمی ہے۔ حکومت اس معاشرے کا جامع عکس اور اربابِ اقتدار[1] اس کا اہم جزو ہیں۔ اُن کو اپنی اہمیت اور معاشرے میں اثر ونفوذ کی قوت و صلاحیت کے اعتبار سے دعوت وتخاطب[2] میں اوّلیّت تو دی جاسکتی ہے اور دی جانی چاہیے لیکن انہیں دین کا دشمن قرار دے کر ان کے خلاف نفرت وعداوت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے عوام کے دینی جذبے کو مشتعل کرنا درآں حالیکہ[3] عوام کی ایک عظیم اکثریت کا حال دین سے بے خبری اور عملی بُعد[4] کے اعتبار سے کم وبیش وہی ہے جو اصحابِ قوت واختیار کا‘ نہ ان کی خیر خواہی ہے نہ خود دین کی۔ رہا اقتدار کے حصول کی خاطر برسر اقتدار طبقے کے مخالف ومعاند[5] کی حیثیت اختیار کرنا تو یہ ہمارے نزدیک دینی نقطہ نظر سے نہایت مضر ہی نہیں سخت مہلک ہے جس سے کُلّی اجتناب لازمی ولابدی ہے۔ ہمارے نزدیک ”اَئِمَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ“[6] اور ”عَامَّتِھِمْ“[7] دونوں ہی نصح و خیر خواہی کے برابر مستحق اور دعوت واصلاح کے یکساں محتاج ہیں!

دعوت کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس کا تخاطب لازماً ایک تدریج کے ساتھ داعی کے اپنے نفس سے شروع ہو کر ﴿عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ﴾[8] اپنے اہل وعیال ﴿قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾[9] اور کنبے قبیلے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾[10] سے ہوتے ہوئے اپنی قوم ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ﴾[11] اور پھر پوری انسانیت ﴿لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی

(۱) بااختیار لوگ (۲) مخاطب کرنا (۳) اس صورت میں (۴) دُوری (۵) دشمن
(۶) مسلمانوں کے پیشوا (۷) عوام (۸) تم پر تو ذمہ داری اپنی جانوں کی اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کوئی جو کہ بھٹک گیا اگر تم خود ہدایت پر ہو۔ (سورۃ المائدۃ: 105) (۹) بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے (سورۃ التحریم: 6) (۱۰) اے نبیؐ! خبردار کیجیے اپنے قریبی رشتے داروں کو (سورۃ الشعراء: 214) (۱۱) اے میری قوم کے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرو۔ (سورۃ الاعراف: 59، 65، 73؛ ھود: 50، 61، 84؛ المؤمنون: 23؛ العنکبوت: 36)

النَّاسِ﴾[1] تک پہنچنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت کہ داعی اپنے آپ کو بھول جائے اور برّ[2] وتقویٰ کی ساری دعوت دوسروں کو دیتا رہے ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ﴾[3] یا اپنے خاندان اور کنبے قبیلے کو تو بھول جائے اور دور دراز کے لوگوں میں ہدایت کی سوغات بانٹنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو‘ نہایت خطرناک مرض کی علامت ہے۔ دعوت کے عمل کا صحیح نہج یہ ہے کہ ”اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ“ کے اصول پر آگے بڑھے اور جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو دعوت وتخاطب میں اسی قدر اسے مقدم رکھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ خیال البتہ صحیح نہ ہوگا کہ ایک مرحلے کی تکمیل کے بعد ہی دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ دعوت کے عمل کو ایک فطری تدریج اور حسین تناسب کے ساتھ اپنی ذات‘ اہل وعیال‘ کنبے قبیلے اور پھر عوام الناس تک بڑھنا چاہیے۔

اس سلسلے میں ہمیں اپنی اولاد اور فی الجملہ نئی نسل کے بارے میں خصوصی توجہ و اہتمام سے کام لینا ہوگا‘ اس لیے کہ ان کے بارے میں ہم حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ﴿کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَّسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ ....[4] الخ کی رو سے براہِ راست مسئول اور ذمہ دار ہیں۔ اولاد کی دینی تعلیم وتربیت کا یہ اہتمام ذاتی وانفرادی بھی ہوگا اور جہاں جہاں ممکن ہوگا اور وسائل دستیاب ہو سکیں گے اس امر کی سعی بھی کی جائے گی کہ ایسے مدارس اپنے اہتمام میں قائم کیے جائیں جن میں نئی نسل کے قلوب واذہان میں ایمان کی تخم ریزی وآبیاری اور اخلاقی وعملی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔

وصف نمبر-7 ہر رفیق تنظیم ایک جانب تنظیم کے جملہ لٹریچر کے مطالعے اور مرکزی قائدین کی اہم تقاریر، خصوصاً امیر تنظیم کے خطباتِ جمعہ کے سننے کا اہتمام کرے۔ (اس

(۱) تاکہ تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر (سورۃ البقرۃ: 143) (۲) نیکی
(۳) کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو (سورۃ البقرۃ: 44)
(۴) تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور وہ اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے۔ (مسند احمد)

کے لیے تنظیم کے جرائد "میثاق" اور "ندائے خلافت" کا مطالعہ مفید رہے گا) اور دوسری جانب----- اپنے آپ کو "ہم بھی تسلیم کی خُو[(۱)] ڈالیں گے" کے مصداق تنظیم کے نظم کی پابندی کا خوگر[(۲)] بنائے۔ چنانچہ اجتماعات میں پابندی کے ساتھ شرکت کرتا رہے تا کہ اُسے بالاتر نظم کی جانب سے موصولہ ہدایات کا علم بروقت ہوتا رہے۔

تشریح: بانیٔ تنظیمِ اسلامی بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے قیام کی جدوجہد اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک انقلابی کام ہے، یہ صرف وعظ ونصیحت سے ہونے والا کام نہیں ہے لہٰذا اس کے لیے ایک منظم جماعت ناگزیر[(۳)] ہے جو ایک امیر کی اطاعت کے نظم میں جڑی ہو۔ (درس: امیر ومامور کا باہمی تعلق: حافظ عاکف سعید صاحب) لہٰذا تنظیمِ اسلامی اپنے رفقاء کی تربیت میں اس بات کا لحاظ کرتی ہے کہ ان کی تربیت سمع وطاعت کے نظام کے تحت ہو۔ سمع وطاعت کا خوگر بننے کے لیے جن اجتماعات میں شرکت کی تلقین کی جاتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ۱۔اجتماعِ اسرہ ہفتہ وار، ۲۔حلقہ قرآنی ہفتہ وار، ۳۔مقامی تنظیم کی سطح پر ماہانہ تربیتی پروگرام، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً حالات کے مطابق نظمِ بالا کی طرف سے آنے والی ہدایات پر عمل کرنا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ "تعارف تنظیمِ اسلامی" میں وضاحت فرماتے ہیں "خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اور ﴿اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا﴾ "یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی" (بنی اسرائیل:34) کے پیشِ نظر پُورے احساسِ مسؤلیت[(۴)] کے ساتھ عہد کرے کہ اپنے فرائضِ دینی کی انجام دہی کے لیے وہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارک کہ ((اَنَا اٰمُرُكُمۡ بِخَمۡسٍ: بِالۡجَمَاعَةِ وَالسَّمۡعِ وَالطَّاعَةِ وَالۡهِجۡرَةِ وَالۡجِهَادِ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ))[(۵)] کے مطابق تنظیمِ اسلامی کے نظم کی پوری پابندی کرے گا۔"

---

(۱)عادت (۲)عادی (۳)لازمی (۴)جوابدہی (۵)﴿مسند احمد، سنن ترمذی، مسند الطیاسی وابویعلٰی، مصنف عبدالرزاق، صحیح ابن خزیمہ وابن حبان﴾ اکثر روایات میں ((اَللّٰهُ اَمَرَنِي)) بھی ◀◀

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ تنظیمِ اسلامی نہ عام معنی میں دنیوی یا سیاسی جماعت ہے نہ محدود مفہوم میں مذہبی تنظیم بلکہ یہ ایک ہمہ گیر[(۱)] 'دینی جماعت' ہے لہٰذا اگر چہ یہ خیال کرنا تو غلطی ہی نہیں عظیم گمراہی ہوگی کہ یہ اُس "الجماعت" کے حکم میں ہے جس میں شمولیت اسلام میں داخلے اور جس سے علیحدگی کفر کے مترادف[(۲)] ہے اور جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((مَنۡ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ))[(۳)] یعنی جو اس سے علیحدہ ہوگا وہ علیحدہ ہی جہنم میں جھونک دیا جائے گا---- تاہم اس کے نظم کو عام معاشرتی وثقافتی انجمنوں یا طبقاتی و پیشہ ورانہ تنظیموں یا سیاسی وقومی جماعتوں کے قواعد وضوابط کی پابندی پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی "اطاعت فی المعروف" ---- "سمع وطاعت" کے خالص اسلامی اور ٹھیٹھ دینی اُصول کے مطابق تمام شرکائے تنظیم پر واجب ہے۔

وصف نمبر-8 دوسرے رفقاء اور ذمہ دار حضرات پر تنقید، احتساب اور اختلاف کے سلسلے میں ان اصولوں اور ہدایات کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے جو دستورِ تنظیم کی دفعات 8 اور 9 کے ذیل میں درج ہیں اور وقتاً فوقتاً مراقبہ کر کے اپنے باطن کا جائزہ لیتا رہے کہ دل میں بالکل غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر شیطانی وساوس کے ذریعے رفقاء تنظیم اور خصوصاً بالاتر نظم کے خلاف "غِلّ" یعنی کدورت پیدا نہ ہوجائے۔

تشریح: جس اجتماعیت میں شامل ہو کر ہم غلبہ دین کی جدوجہد کر رہے ہیں، اسے مضبوط اور توانا بنانے کے لیے باہم مل جل کر جدوجہد ضروری ہے۔ شیطان جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ دلوں میں وسوسے ڈال کر آپس میں پھوٹ اور انتشار[(۴)] پیدا

◀◀ "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے" کا اضافہ ہے۔ (۱)تمام پہلوؤں پر مشتمل (۲)ہم معنی (۳)مستدرک حاکم، کتاب العلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ سنن الترمزی کے الفاظ یوں ہیں ((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجۡمَعُ اُمَّتِيۡ اَوۡقَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلَى ضَلَالَةٍ وَيَدُاللّٰهِ مَعَ الۡجَمَاعَةِ وَمَنۡ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ)) "اللہ تعالیٰ میری امت (امت محمد ﷺ) کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور جو کوئی الجماعۃ سے نکلا وہ دوزخ کی طرف جا نکلا" (۴)نااتفاقی

کرتا ہے۔ لہٰذا ہم ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہیں۔ اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے شعوری طور پر بچنے کی کوشش کریں۔ اگر رفقاء کا آپس میں یا نظم بالا سے اختلاف ہو جائے تو اس کے لیے تنظیم نے کچھ حقوق و آداب مقرر کیے ہیں جن کا ذکر دستورِ تنظیم کی دفعات 8 اور 9 میں کیا گیا ہے۔

دفعہ ۸: اختلاف کے حقوق اور آداب

ا) جملہ رفقاء/ رفیقاتِ تنظیم پوری طرح آزاد ہوں گے/ گی کہ اہل سنت کے جس فقہی مذہب یا مسلک پر چاہیں عمل کریں۔ لیکن اس ضمن میں مناظرانہ بحث و تمحیص سے کلی اجتناب[1] ضروری ہوگا۔ اگرچہ خالص علمی انداز میں اور افہام و تفہیم کے جذبے کے تحت تبادلہ خیالات پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

ب) اسی طرح تنظیم کے طے شدہ اساسی فکر سے جو کہ دستور کی دفعہ 1 میں درج ہے، اختلاف کی گنجائش نہیں ہے البتہ تنظیم اپنے مقصد کے حصول کے لیے جو عملی تدابیر اختیار کرے یا ملکی حالات و مسائل کے بارے میں جو آراء امیرِ تنظیم ظاہر کریں ان سے اختلاف کا حق بھی رفقاء/ رفیقات تنظیم کو پوری طرح حاصل ہوگا اور مناسب احتیاط (دیکھیے شق 'ج') کے ساتھ اس کے اظہار میں کوئی قباحت[2] نہ ہوگی، تاکہ نہ تنظیم میں گھٹن محسوس ہو، نہ ذہنوں پر تالے پڑیں، بلکہ آزادی فکر اور اظہار رائے کا صحت مند ماحول برقرار رہے اور اس طرح اختلافِ رائے تنظیم میں رحمت اور اس کے مقاصد کے لیے مفید ثابت ہو۔ اختلافِ رائے اور اس کے اظہار کے "صحت مند" ہونے کی علامت یہ ہوگی کہ متعلقہ رفیق/ رفیقہ کے طرزِ عمل میں نظم کے اعتبار سے کوئی کمی یا تساہل[3] نظر نہ آئے۔

ج) اختلاف رائے کا اِظہار اصولاً تو تنظیم کے نظم کے ذریعہ متعلقہ اصحاب امر تک پہنچانا ہی مناسب ہے۔ یا پھر تنظیم میں مشاورت و اظہارِ خیال کے متعلقہ فورم پر بلحاظِ

(۱) پرہیز (۲) خرابی۔عیب (۳) غفلت

مرتبہ و منصب بھی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اظہارِ رائے کے سلسلے میں حسب ذیل احتیاطیں ضروری ہوں گی:-

(i) یہ اظہار رائے صرف ملتزم رفقاء/ رفیقات ہی کے مابین ہونا چاہئے، چنانچہ ملتزم رفقاء/ رفیقات کا مبتدی رفقاء/ رفیقات کے ساتھ اس قسم کی گفتگو کرنا نظم کی خلاف ورزی متصور ہوگا۔ وہ مبتدی رفقاء/ رفیقات کی بات سن کر اگر انہیں مطمئن کر سکیں تو دوسری بات ہے ورنہ سکوت[1] لازم ہوگا۔

(ii) ملتزم رفقاء/ رفیقات کے ساتھ گفتگو میں بھی ان آیات قرآنیہ کے مفہوم اور مدلول[2] کے مطابق مخاطب کی استعداد[3] اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھنا نہ صرف تنظیم بلکہ خود اس رفیق/ رفیقہ کی خیرخواہی کے اعتبار سے بھی ضروری ہوگا جس سے اس نوع کی گفتگو کی جا رہی ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾

(النساء: ۵۸)

بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ ذمہ داریاں ان کے اہل کو دی جائے۔

﴿لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۳)

تاکہ جان لیں وہ لوگ جو اس سے استنباط[4] کرنے کے اہل ہیں۔ (یعنی ذمہ دار لوگ جو حالات سے واقف ہیں)

(iii) جو رفقاء/ رفیقات تنظیمی مناصب پر فائز ہوں ان کے لیے ضروری ہوگا کہ اختلاف کا اظہار صرف بالاتر ذمہ دار حضرات/ خواتین کے سامنے کریں، ان کی اپنے ماتحت عہدیداروں یا عام رفقاء/ رفیقات

(۱) خاموشی (۲) دلالت کیا گیا، بتایا گیا (یعنی وہ بات جس کی طرف قرآنی آیات رہنمائی کرتی ہیں۔) (۳) صلاحیت (۴) نتیجہ اخذ کرنا

سے ایسی گفتگو نظم کی خلاف ورزی متصور ہوگی۔

دفعہ ۹: ذاتی تنقید اور محاسبہ

ا) تنظیم کی پالیسی یا امیر تنظیم کی سیاسی آراء سے اختلاف کے مقابلے میں کسی رفیق/رفیقہ اور بالخصوص ذمہ دار حضرات/خواتین پر ذاتی تنقید اور شخصی محاسبہ کے ضمن میں بہت زیادہ احتیاط اور حد درجہ احساس ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔

ب) اس سلسلے میں اس داخلی احساس اور شعوری تنبہ[۱] کے ساتھ ساتھ کہ اس میں نہ اپنے عُجب[۲] اور تکبر کو دخل ہو، نہ کسی دوسرے کی توہین و تذلیل یا اسے صدمہ پہنچانے کا جذبہ کارفرما ہو بلکہ تنقید اور محاسبہ سراسر خلوص و اخلاص اور نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت ہو، حسب ذیل ضابطوں کی پابندی بھی لازمی ہوگی اور ان کی خلاف ورزی کرنے والا/والی سرزنش کا/کی مستحق اور تادیبی کارروائی کا/کی مستوجب ہوگا/گی۔

(i) جس رفیق/رفیقہ تنظیم یا ذمہ دار ساتھی میں کوئی قابلِ اصلاح پہلو نظر آئے لازم ہوگا کہ پہلے اسے علیحدگی میں بالمشافہ گفتگو کے ذریعے اصلاح کی جانب متوجہ کیا جائے اور اس سلسلے میں ایک مناسب مدت تک انتظار بھی کیا جائے۔ اس مرحلے کو طے کئے بغیر براہِ راست تنقید اگر متعلقہ شخص کی غیر حاضری میں ہوگی تو "غیبت" کے حکم میں آئے گی جسے قرآن مجید میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر رُو در رُو[۳] لیکن دوسروں کی موجودگی میں ہوگی تو "ھَمز"[۴] اور "لَمز"[۵] کے حکم میں ہوگی جس پر "ویل"[۶] کی وعید سورۂ ہمزہ میں وارد ہوئی ہے۔

(۱) آگاہی، خبرداری (۲) خود پسندی (۳) آمنے سامنے (۴) طعنہ دینا (۵) عیب لگانا
(۶) خرابی

(ii) لیکن اگر شق (i) کے مطابق مناسب کوشش کے بعد بھی محسوس ہو کہ متعلقہ رفیق/رفیقہ میں یا تو اصلاح کا ارادہ ہی موجود نہیں ہے یا قوت ارادی اتنی کمزور ہے کہ اصلاح پر قدرت حاصل نہیں اور دوسری طرف اس کی کمزوری یا کوتاہی بھی اس نوعیت یا درجہ کی ہے کہ اس سے تنظیم کے مقصد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تب بھی اس معاملے کا عام چرچا غلط ہوگا اور صحیح طرزِ عمل یہ ہوگا کہ زیرِ تنقید رفیق/رفیقہ تنظیم کے نظم کی جس سطح پر ہو اس کا معاملہ اس سے بالاتر سطح تک پہنچا کر اپنے آپ کو کم از کم فوری طور پر بری الذمہ سمجھا جائے۔

(iii) پھر اگر یہ محسوس ہو کہ اس معاملے میں بالاتر نظم بھی کوتاہی یا تساہل سے کام لے رہا ہے تو معاملے کو درجہ بدرجہ اوپر لایا جا سکتا ہے چنانچہ بلا لحاظ مرتبہ و منصب جملہ رفقاء/رفیقاتِ تنظیم کے معاملات براہ راست امیرِ تنظیم کے سامنے بھی لائے جا سکیں گے اور استثنائی حالات[۱] میں کسی رکن مجلس مشاورت کے توسط سے مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں بھی پیش کئے جا سکیں گے، جب کہ خود امیرِ تنظیم پر تنقید اسی طریق کار کے مطابق مرکزی مجلس مشاورت میں بھی ہو سکے گی اور توسیعی مشاورت کے اجلاس میں بھی۔

ج) نظم کے ذمہ دار حضرات کے اپنے حلقہ نظم میں شامل رفقاء/رفیقات کے بارے میں ایسے صلاح و مشورہ پر جو تنظیم کے مصالح[۲] کے لیے ناگزیر ہو شق ب(i) کا اطلاق نہیں ہوگا۔

د) نظم سے متعلق معاملات اور اس حوالے سے ذمہ دار حضرات کا طرز عمل جیسے اُمور براہِ راست نظم بالا/امیر تنظیم کے علم میں لائے جا سکیں گے۔ بشرطیکہ یہ شکایت

(۱) خصوصی حالات (۲) مصلحت کی جمع = بہتری

متعلقہ ذمہ دار کے سامنے کم از کم ایک مرتبہ لائی جاچکی ہو نیز شکایت کنندہ کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی تحریر کی کاپی متعلقہ ذمہ دار کو بھی فراہم کرے۔ تاہم نظمِ بالا کے لیے ضروری ہوگا کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے متعلقہ ذمہ دار کو وضاحت کا موقع ضرور دے۔

وصف نمبر-9 دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے اوقات کو فارغ کرنے کے ضمن میں طے کرے کہ روزانہ کچھ وقت (اوسطاً ڈیڑھ گھنٹہ) ان کاموں کے لیے وقف کرے گا۔

تشریح: "ہم آج کل کے مسلمان اس ذوقِ تبلیغ سے بالکل ہی ناآشنا[۱] ہیں، جو کسی زمانے میں اسلام کی فاتحانہ قوتوں کا ضامن اور اس کی عالم گیری[۲] اور جہاں کشائی[۳] کا سب سے زیادہ کارگر ہتھیار تھا۔ اگر آج ہمارے اندر وہی ذوق موجود ہوتا تو شاید کانفرنسوں اور مجلسوں کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، اور اغیار کی چیرہ دستیوں[۴] سے ہمارے گھر میں ماتم بپا ہونے کے بجائے خود اغیار کے مجمع میں دینِ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے کھلبلی مچی ہوئی ہوتی۔

بعض اوقات جب ہم غور کرتے ہیں کہ یہ اس مذہب کی چیخ وپکار ہے، جس کے عناصر ترکیبی میں دعوت الی الخیر اور تبلیغ دین الٰہی کا فرض ایک لازمی عنصر کی حیثیت سے شامل تھا، جس کے داعی نے اپنی ساری زندگی، خدا کا آخری پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں صَرف[۵] کر دی تھی، اور جس کے مقدس پیروؤں نے ایک صدی کے اندر اندر بحر الکاہل کے کناروں سے لے کر بحرِ اوقیانوس کے ساحل تک کلمہ حق کی اشاعت کر دی تھی، تو ہم حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ آیا یہ وہی مذہب ہے، یا ہم مسلمانوں نے بنی اسرائیل کی طرح اپنے پیغمبر کے بعد کوئی اور نیا مذہب بنالیا ہے۔

ہماری زبانوں پر تبلیغ کا ورد جاری ہے اور ہم تبلیغ کے لیے انجمنیں بنا کر اسلام کی

(۱)ناواقف (۲)پوری دنیا پر حکومت کرنا (۳)جہان فتح کرنا (۴)غلبہ/برتری (۵)کھپادینا

اشاعت کرنا چاہتے ہیں، مگر شاید یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ اس کے پیروؤں نے عیسائیوں کی طرح مشنری سوسائٹیاں بنانے کی کوشش کی ہے، یا اس بے تابی کے ساتھ تبلیغ کا شور مچا ہے۔ اگر کامیابی کا حقیقی راز صرف انجمن سازیوں اور شوروشغب میں ہوتا تو یقیناً ہماری ترقی کی رفتار ہمارے اسلاف سے زیادہ تیز تر ہونی چاہیے تھی۔ لیکن اس کے برخلاف ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس ساز و سامان کو لے کر ہمارا ہر قدم پیچھے کی طرف اُٹھ رہا ہے، جبکہ اس بے سروسامانی کے عالم میں ہمارے اسلاف کی کامیابیوں کا یہ عالم تھا کہ ان کی بدولت آج دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے پیرو موجود ہیں۔ پھر آخر سوچنا تو چاہیے کہ ہم میں کس چیز کی کمی ہے اور اشاعت اسلام کا اصل راز کیا ہے؟ (اقتباس: دعوتِ دین کی ذمہ داریاں، از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، صفحہ: 2،3)

نظم کی جانب سے ہر رفیقِ تنظیم سے دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے روزانہ کم از کم اوسطاً ڈیڑھ گھنٹے کا تقاضا ہے، اوسطاً سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک دن کوئی مصروفیت آڑے آ گئی تو اگلے دن تین گھنٹے دعوت کے میدان میں لگائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے وقت کو اُس کے دین کی اقامت کے لیے کھپانا ہی اپنے وقت کا صحیح تر استعمال ہے۔

تنظیمِ اسلامی کے نظامِ دعوت کو خوب سمجھ کر اس کے مطابق محنت کرنے کی ضرورت ہے جس میں سب سے بنیادی بات انفرادی رابطے کا مضبوط ہونا ہے۔ انفرادی رابطے سے مراد یہ ہے کہ خود چل کر فرد کے پاس جایا جائے، موبائل اور سوشل میڈیا وغیرہ کو صرف یاددہانی اور وقت طے کرنے جیسے معاملات کے لیے استعمال کیا جائے۔ اگر ہر رفیق طے کردہ وقت لگانا شروع کر دے تو کچھ عَجب[۱] نہیں کہ غلبۂ دین جو آج بہت دور بلکہ ایک خواب نظر آرہا ہے، اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے بالکل قریب آجائے۔

ہمارا کام جذبہ، جنون اور دیوانہ وار محنت کرتے چلے جانا ہے اور اسی میں ہماری کامیابی

(۱)انوکھی بات

پنہاں [۱] ہے، نتیجہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جو افراد کی وفاداری اور محنت کی صورت میں اللہ پاک عطا فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ!

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے" پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو فقیری سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (بحوالہ: شعب الایمان۔ امام بیہقی)

وصف نمبر-10 "انفاق فی سبیل اللہ" کے ضمن میں طے کرے کہ وہ ہر ماہ اپنی استطاعت کے مطابق، اپنی حلال آمدنی کا ایک مخصوص حصہ تنظیم کے بیت المال میں جمع کرائے گا۔ اس انفاق کے کم از کم ہدف کے طور پر اپنی ماہانہ آمدنی کا پانچ فیصد ہر رفیق کے ذہن میں ہونا چاہیے۔

تشریح: اِنفاق کا معنی خرچ کرنا جب کہ اصطلاح میں انفاق فی سبیل اللہ تعالیٰ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا کے حصول کے لیے مال خرچ کرنا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا اَجر و ثواب بے حد و حساب ہے۔ ایک روپیہ خرچ کرنے کا اجر سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ دینے کی بشارت دی گئی ہے (البقرۃ:261)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑھ چڑھ کر غلبہ دین کے لیے خرچ کرتے اور اس حوالے سے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب دین مغلوب ہو تو اُس وقت اِنفاق کرنے کی فضیلت اور بڑھ جاتی ہے (الحدید:10)۔ جو مال اللہ کی راہ میں دے دیا جائے وہی محفوظ اور ہمارے لیے توشۂ آخرت ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ اقامت دین کی جدوجہد کے لیے مال خرچ کرنے کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ذمہ قرضِ حسنہ قرار دیتے ہیں، جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابودحدح رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا، کیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں سے قرضِ حسنہ کا مطالبہ کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تو اسی وقت صحابی رسول ﷺ حضرت

(۱) پوشیدہ

ابودحدح رضی اللہ عنہ نے اپنا چھ سو کھجور کے درختوں پر مشتمل باغ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہدیہ فرما دیا۔ آج عالم کفر اور دشمنان دین بھی اسلام کو مٹانے اور شیطانی راج کو قائم کرنے کے لیے بے پناہ وسائل خرچ کر رہے ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل ایمان سے بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ مقدور بھر اور دل کھول کر اقامت دین کے لیے انفاق کریں تا کہ غلبہ دین کے لیے خرچ کرنے والے، ایک طرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں انعامات کے مستحق بن جائیں اور دوسری طرف باطل کی بیخ کنی کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی دن نہیں گزرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے اترتے ہیں جن میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو خرچ کرنے والے کو اچھا عوض دے اور دوسرا بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخل کرنے والے کو تباہ کر دے" (متفق علیہ)

ہر رفیق تنظیم سے یہ تقاضا ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ سے کسی طور محروم نہ رہے، ہر ماہ اپنی استطاعت کے مطابق خواہ دس، بیس یا پچاس روپے ہی کیوں نہ ہوں ضرور ادا کرے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے بلال اللہ کے راستے میں خرچ کر اور اس بات سے مت ڈر کہ عرش والا تجھے غریب کر دے گا" (معجم الکبیر)

☆—☆—☆

ضمیمہ

صبح وشام

کے چند منتخب مسنون اذکار

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "نماز اور مسنون دعائیں")

﴿سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ﴾ (تین دفعہ صبح)

"اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اُس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر، اور اُس کی ذاتِ پاک کی رضا کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مطابق۔" (مسلم)

☆ حضرت عبدالرحمن بن ابزیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو یہ پڑھا کرتے تھے:

﴿أَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَ عَلٰى كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى مِلَّةِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (رواہ احمد)

"ہم نے صبح کی فطرت اسلام پر، کلمہ اخلاص پر اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ حضرت ابرہیمؑ کی ملت پر جو یک رخ اور فرماں بردار تھے۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہیں تھے۔"

نوٹ: (شام کے ذکر میں أَصْبَحْنَا کی جگہ أَمْسَيْنَا پڑھا جائے)

☆ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین دفعہ کہے

﴿رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا﴾

"میں راضی ہوں اللہ کو اپنا مالک و پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد ﷺ کو نبی مان کر۔" تو اللہ نے اس بندے کے لئے اپنے ذمہ کرلیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو ضرور خوش کردے گا۔"

(احمد، ترمذی)

﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

"اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ملک اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

☆ صبح کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھے:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ رِزْقًا طَيِّبًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا﴾

"اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والے علم اور پاکیزہ رزق اور قبول کئے گئے عمل کا سوال کرتا ہوں۔" (ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ، ابن ماجہ)

☆ ﴿اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ﴾

(صبح وشام تین تین دفعہ)

"اے اللہ! میرے بدن میں عافیت دے، اے اللہ! میرے کانوں میں عافیت دے، اے اللہ! میری آنکھوں میں عافیت دے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اے اللہ! میں کفر اور فقر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔" (ابوداؤد، احمد، نسائی)

﴿حَسْبِيَ اللهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ

الْعَظِيْمِ﴾

"مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے۔"

(ابوداؤد، ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ)

جو شخص مندرجہ بالا دعا سات سات مرتبہ صبح و شام پڑھے اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت کے ان تمام کاموں سے کافی ہو جاتا ہے جو اسے فکر مند کرتے ہیں۔

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر دن کی صبح اور شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اُسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دعا یہ ہے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

"اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

(ترمذی، ابوداؤد)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی صبح و شام یہ دعا تین مرتبہ پڑھے اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی:

﴿اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾

"پناہ لیتا ہوں میں اللہ کے کامل التاثیر کلمات کی تمام مخلوق کی شرارتوں سے۔" (ترمذی وابن ماجہ)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح و شام دس مرتبہ مجھ پر درود بھیجے گا قیامت کے روز میری شفاعت پائے گا

﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ﴾

"اے اللہ! درود و سلام بھیج ہمارے نبی محمد ﷺ پر۔" (الطبرانی)

رات کے اذکار

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ ﴿الٓمّٓ تَنْزِيْلُ﴾ "یعنی سورۂ سجدہ" اور ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ "یعنی سورۂ ملک" نہ پڑھ لیتے۔ (ترمذی، نسائی)

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر رات جب آرام فرمانے کے لئے اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھ ملا لیتے (جس طرح دعا کے وقت ہاتھ ملائے جاتے ہیں) پھر ہاتھوں پر پھونکتے اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے، پھر جہاں تک ہو سکتا اپنے جسم مبارک پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرتے، سرِ مبارک اور چہرۂ مبارک اور جسمِ اطہر کے سامنے کے حصے سے شروع فرماتے۔ یہ آپ ﷺ تین دفعہ کرتے (بخاری)

☆ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں، جو کوئی کسی رات میں اِن کو پڑھے گا وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔" (بخاری ومسلم)

☆ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے:

﴿اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ﴾

"اے میرے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن کہ جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔" (ابوداؤد)

☆ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص

بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ و استغفار کرے، اور تین دفعہ عرض کرے:

﴿أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ﴾

"میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ حیّ و قیوم ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے، اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں" تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور (مشہور ریگستان) عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔" (ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کی تصدیق فرمائی کہ اگر سوتے وقت آیت الکرسی پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حفاظت کنندہ مقرر کر دیا جاتا ہے جو پڑھنے والے کی شیطان سے حفاظت کرتا ہے۔ (بخاری)

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○﴾ (سورۃ البقرۃ:255)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم دونوں (علیؓ اور فاطمہؓ) کو وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہارے لئے خادم سے بہتر ہو؟ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو کہو:

سُبْحَانَ اللّٰهِ (33مرتبہ)، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (33مرتبہ) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (34مرتبہ)

یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔" (بخاری، مسلم)